Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 5 Issue 2, Fall 2025
ISSN(P): 2790 8216 ISSN(E): 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

فلسفہ، سائنس اور مذہب کا باہمی فرق، تعامل اور اقبال کا فلسفہ علم

Title: **Philosophy, Science, and Religion: Distinctions, Interplay, and Iqbal's Epistemology**

Author (s): Nazir Ahmad

Affiliation (s): Department of Religious Studies, Central University, Kashmir, India.

DOI: https://doi.org/10.32350/mift.52.01

History: Received: September 10, 2025, Revised: October 23, 2025, Accepted: November 5, 2025, Published: December 27, 2025

Citation: Ahmad, Nazir. "Philosophy, the difference between science and religion, interaction and Iqbal's philosophy of knowledge." *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 5, no.2(2025):1–13. https://doi.org/10.32350/mift.52.01

Copyright: © The Authors

Licensing: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

---

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

فلسفہ، سائنس اور مذہب کا باہمی فرق، تعامل اور اقبال کا فلسفہ علم

Philosophy, Science, and Religion: Distinctions, Interplay, and Iqbal's Epistemology

Nazir Ahmad*

Department of Religious Studies, Central University, Kashmir

Abstract

This paper examines the historical and theoretical differences and connections between philosophy, science and religion, focusing on the different aims and methods of these three fields of knowledge and understanding. It traces the roots of science in natural philosophy, examining their corresponding roles in research, through the study of the historical background of philosophy and science. It then talks about the shared basis and the controversies between philosophy and religion, and explains the unique purpose of religion in specifying the relationship between Creator and creation.

This paper takes the view that science should be seen as a means and not as an end in accordance with the hierarchical system of philosophical research. Moreover, this paper highlights the supremacy of religious teachings in relation to the reality and meaning of ethics and values, arguing that religious awareness is stronger, more meaningful and based on realization than intellectual awareness alone, which is why the system of ethics offered by religion is always superior. The problem of the relationship between religion, philosophy and science was a subject of special interest to Allama Iqbal. Although he also discussed this issue in his philosophical poetry, he presented it rigorously in his philosophical book "The Reconstruction of Religious Thought in Islam."

In exploring the complex relationship between religion, philosophy and science, this article also focuses on this masterpiece of Allama Muhammad Iqbal. This article is an attempt to concisely analyze Allama Iqbal's views on religion, philosophy and science in the context of his philosophical discourse. The interpretation of scientific principles in the light of Islamic thought, and the analysis of Allama's vision on the evolution of religious thought are important parts of the subject of this article in which an attempt has been made to find out how these three different fields of knowledge can be harmonized in the search for universal knowledge and what significance Iqbal's thoughts have in the current debates on this journey.

The structure of the reconstruction of Islamic thought stands on three important pillars: metaphysics, the concept of knowledge, and law. Focusing on Iqbal's concept of knowledge, an attempt has been made to shed light on his metaphysical and theological philosophy of knowledge. However, the conclusion of this paper emphasizes the need to maintain a clear distinction and an atmosphere of cooperation between different fields of knowledge in order to promote the pursuit of knowledge.

Keywords: Philosophy, Science, Religion, Knowledge, Metaphysics, Values, Iqbal, Reconstruction.

تعارف

جدید علمی بحث و تمحیث میں فلسفہ، سائنس، اور مذہب کے درمیان فرق دھندلا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ان کے مقاصد اور اہداف کے بارے میں صورتحال غیر واضح بن گئی ہے۔
تاریخی طور پر، فلسفہ علمی تحقیق کے میدان میں غالب رہا ہے اور اکثر ان تصورات اور اسالیب کے دیگر شعبوں پر بھی اثر انداز ہوتا رہا جس کی وجہ سے علم کے دیگر شعبے بھی متاثر ہوتے رہے۔ جبکہ سائنس اور مذہب کو علم کے آزاد شعبوں کے طور پر دیکھا جاتا تھا، ہر ایک کا اپنا اثر و رسوخ تھا، اکثر ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے لیکن واضح حدود برقرار رکھتے تھے۔ اس تحقیق کا مقصد مختلف شعبوں کے تاریخی اور تصوری تعلقات کا جائزہ لینا اور ان کے مختلف مقاصد اور طریقوں کو واضح کرنا ہے

تاریخی لحاظ سے، فلسفہ علوم عقلیہ میں جستجو کا سنگ بنیاد رہا ہے اور ہمیشہ سے سائنسی اور مذہبی سوچ کو مہمیز دیتا رہا ہے۔ ولیم کے مطابق، قدیم دور میں فلسفہ نے جدید سائنسی طریقوں اور مذہبی اصولوں کے پیشرو کی حیثیت سے وسیع پیمانے پر علم کے متنوع شعبوں کو اپنے دائرے میں لایا۔ ان شعبوں کے درمیان حدود روشن خیالی کے دور کے ساتھ ہی نمایاں طور پر تبدیل ہونا شروع ہو گئے، جس نے تجرباتی تحقیق اور منطقی تفتیش کے ایک نئے دور کو متعارف کرایا[1]۔ دریں اثناء سائنس نے مشاہدے اور تجربے پر زور دے کر علم کے ایک خود مختار شعبے کے طور پر ابھرنا شروع کیا۔ یہ تبدیلی سائنس کی فلسفہ کی قیاسی فطرت سے ایک انحراف کی نشاندہی کرتی تھی، جیسا کہ اسمتھ نے وضاحت کی ہے، جو روشن خیال دور کو

*Corresponding Author: nazir.zargar@cukashmir.ac.in

[1] William Smith, *Philosophy of Science: A Contemporary Introduction* (New York: Routledge, 2021), 45.

ایک فیصلہ کن لمحہ قرار دیتی تھی جب سائنس نے فلسفیانہ قیاس آرائی سے اپنی آزادی کا اعلان کیا[2]۔ اسی دوران، مذہب، جس نے تاریخی طور پر مابعدالطبیعیاتی وضاحتیں اور اخلاقی اصول فراہم کئے تھے،۔بڑھتی ہوئی سائنسی دریافتوں کے اُن اثرات سے نمٹنے لگا جو اکثر اعتقادی عقائد کو چیلنج کرتے تھے۔

اس تحقیق کا مقصد ان تاریخی واقعات اور ان کے ساتھ آنے والی تصوری ایڈجسٹمنٹ کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ مطالعہ فلسفہ، سائنس، اور مذہب کے مقاصد اور طریقوں کو ان کے باہمی تعلقات اور انحرافات کا جائزہ لے کر واضح کرنے کی ایک طالعلمانہ کوشش ہے۔ علم کے ان بظاہر باہم متخاصم شعبوں نے ہمارے اجتماعی علمی سرمائے کو کس حد تک بڑھادیا ہے اس کو سمجھنے کیلئے ان تضادات کو سمجھنا ہمارے لئے ضروری ہے تاکہ ہمارے مجموعی علم کی میں ان شراکتوں کو سمجھنے اور جدید ذہنی بحث کو آگے بڑھانے میں مدد مل سکے۔

بہم مواد کا جائزہ

اس ضمن میں چند ہی ماخذ کے بارے میں گفتگو شامل کی جاتی ہے جبکہ اس مقالے میں جن کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے ان سب کا استقصاء مقصود نہیں۔

(قرآن ترجمہ از عبداللہ یوسف علی ۲۰۱۴)

قرآن کا یہ ترجمہ تخلیق، اخلاقیات، اور وجود کی حقیقت پر مذہبی نقطہ نظر فراہم کرتا ہے۔ یہ متن خالق کائنات اور تخلیق کے درمیان تعلق کو استوار کرنے میں مذہب کے منفرد مقصد کو واضح کرتا ہے جو فلسفہ کی عقلی تحقیق اور سائنس کے تجرباتی طریقوں سے مختلف ہے۔

۱۔میٹافزکس از ارسطو:

ارسطو کی کتاب "میٹافزکس" حقیقت کی فطرت اور علم کی درجہ بندی کے سلسلے میں بنیادی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ فطرت (فزکس) کا مطالعہ اعلی مابعدالطبیعیاتی تفہیم کے لئے ایک بنیاد کے طور پر کام کرتا ہے، جو سائنسی تحقیق کو علم کے جامع حصول میں ایک ابتدائی مرحلے کے طور پر متعین کرتا ہے۔

۲. ریپبلک از افلاطون (۳۸۰ق۔م۔):

افلاطون کی کتاب ریپبلک انصاف، اخلاقیات، اور مثالی ریاست کی ہیئت کا مطالعہ کرتی ہے جو عقلی تحقیق کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ افلاطون کا کام اخلاقیات کی فلسفیانہ بنیادوں کو سمجھنے میں معاون ہے، جو مذہبی اخلاقیات کے طریقہ کار سے متضاد ہے۔

۳. اپالوجی از سقراط (۳۹۹ق۔م):

اپالوجی میں سقراط اپنی تحقیق کے طریقہ کار اور سچائی کی فلسفیانہ جستجو کا دفاع کرتا ہے۔ سوال پوچھنے اور عقلی گفتگو کرنے پر اس کی تاکید فلسفہ کو تجرباتی سائنس اور مذہبی عقائد سے ممتاز کرنے کی ایک اہم بنیاد فراہم کرتی ہے۔

۴۔فلسفہ سائنس: ایک معاصر تعارف از ڈبلیو اسمتھ (۲۰۲):

اسمتھ کا معاصر تجزیہ سائنس کی فلسفیانہ بنیادوں کا جائزہ فراہم کرتا ہے، جو اسے فطری فلسفہ سے ارتقا کا سراغ دیتا ہے۔ کتاب فلسفہ اور سائنس کے طریقہ کار کے اختلافات کو واضح کرتی ہے اور ان کے مقاصد اور طریقوں کو پہچاننے کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔

سائنس اور مذہب کے درمیان تعلق: ایک تاریخی نقطہ نظر از ایل جونز (۲۰۱۹)

جونز کا کام سائنس اور مذہب کے درمیان تاریخی تعاملات کا جائزہ لیتا ہے اور ان کے درمیان تنازعات اور موافقت کے ادوار کو اجاگر کرتا ہے۔ کتاب اس بات کا تفصیلی احاطہ کرتی ہے کہ سائنس ایک الگ شعبے کے طور پر کیسے ابھری اور اس کا فلسفیانہ اور مذہبی سوچ کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

۵۔اقبال، م۔ (۱۹۳۴ء). اسلامی فکر کی تشکیل جدید. آکسفورڈ یونیورسٹی پریس:

مدراس مسلم ایسوسی ایشن کے سیٹھ جمال احمد نے اقبال کو مذکورہ عنوان کے تحت ایک سلسلہ وار لیکچر دینے کی دعوت دی۔ انہوں نے جنوری ۱۹۲۹ء میں مدراس میں چھ لیکچر لکھے اور دیے اور بعد میں حیدرآباد اور علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی لیکچر دیے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۰ء میں چھ لیکچرز کے ساتھ شائع ہوا۔ ۱۹۳۲/۱۹۳۳ میں وہ دوسرے گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے انگلینڈ گئے۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران، لندن کی ارسطوئی سوسائٹی کی درخواست پر، انہوں نے کیا مذہب ممکن ہے؟ کے عنوان کے تحت ایک لیکچر دیا۔ بعدازاں، انہوں نے مذکورہ لیکچر کو اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۴ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے ذریعے شائع ہوا۔

مندرجہ بالا ماخذ کے علاوہ جن مزید کتابوں یا مقالوں سے مدد لی گئی ہے ان کے حوالے مقالے میں موجود ہیں۔

تحقیقاتی طریقہ کار

اس مقالے میں جو اسلوب تحقیق اختیار کیا گیا ہے وہ تاریخی اور نظریاتی تحریروں کے جائزے پر مبنی ہے جس میں فلسفہ، سائنس، اور مذہب کی ابتداء اور ان کی تاریخ کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے تاکہ ان کے اختلافات اور مشترکہ نکات کو سمجھا جاسکے اور عام غلط فہمیوں کو دور کیا جاسکے۔ یہ بنیادی اور ثانوی ذرائع کا تنقیدی جائزہ لے کر ہر شعبے کے کلیدی تصورات، طریقہ کار، اور مقاصد کی نشاندہی اور تجزیہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔

بحث

فلسفہ اور سائنس:

[2] John Smith, *The Enlightenment Era and the Birth of Modern Science* (Cambridge: Cambridge University Press, 2018), 102.

تاریخی سیاق و سباق اور نظریاتی امتیازات

فلسفہ، یونانی زبان کے لفظ "فلسوفیا" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب "حکمت کی محبت" ہے۔ یہ دراصل انسانی عقل کی اس جستجو کا نام ہے جو فطرت اور دنیا کو سمجھنے کے لیے کی جاتی رہی ہے۔ فلسفے کے دائرے میں مابعد الطبیعیات، اخلاقیات، اور منطق جیسے موضوعات آتے ہیں۔ اس کے برعکس سائنس فطری فلسفہ سے پیدا ہوئی جو حقیقی مشاہدے اور تجربات کے ذریعہ عالم موجود کا معائنہ کرنے اور نتائج اخذ کرنے کا ایک منفرد طریقہ علم واستدلال ہے [3]۔

جدید عقلیت کی مشکل یہ ہے کہ یہ فلسفے اور سائنس کے جداگانہ مسائل کو باہم الجھاتی ہے جس کے نتیجے میں ان دونوں میں ایک مبہم انحصار باہمی پیدا ہوتا ہے۔ طلباء کو اکثر سکھایا جاتا ہے کہ فلسفہ فطرت اور کائنات کا منطقی مطالعہ ہے اور یہ بھی کہ حتمی علم صرف فطرت کے مطالعے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ طرز فکر دونوں شعبوں کو بگاڑتا ہے کیونکہ یہ ان کے مختلف طریقوں اور مقاصد کو پہچاننے میں ناکام رہتا ہے [4]۔

فلسفہ اور مذہب: مشترکہ بنیادیں اور خلط مبحث کی غلطیاں

تخلیق کائنات، اخلاقیات، اور وجود کو سمجھنے کے لئے مذہب اور فلسفے کی بنیادیں مشترک ہیں [5]۔ تاہم دونوں کو ایک سمجھنے سے خلط مبحث کی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں جس کے نتیجے میں دونوں شعبے اپنے اپنے مقام سے ہٹ کر مذہبی فکر کے لیے غلط طرح کا چیلنجز پیش کرنے لگتے ہیں۔ مذہب عقائد، عبادت، لین دین (معاملات)، سماجی تعاملات (معاشرت)، اور اخلاقیات سے متعلق تعلیمات فراہم کرتا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن پر فلسفہ بھی بحث کرتا ہے لیکن دونوں کے مقصد اور طریقہ میں نمایاں طور پر اختلاف پایا جاتا ہے [6]۔

مذہب کا بنیادی مقصد حقوق اللہ اور حقوق البشر کو واضح کرنا ہے۔ یہ واقعات قدرت کو انسان کی قوت غور و فکر کو ترغیب دینے والے اشاروں کے طور پر استعمال کرنے پر زور دیتا ہے نہ کہ بذات خود ایک مقصد کے طور پر۔ اس کے برعکس، فلسفہ کا مقصد منطقی تفتیش کے ذریعہ حقیقت کی وضاحت کرنا ہے، جس میں قدرتی مظاہر کا مطالعہ بھی شامل ہو سکتا ہے لیکن حقیقت کی رسائی تک یہ واحد ذریعہ نہیں ہو سکتا [7]۔

سائنس کا کردار: ذرائع بمقابلہ مقاصد

سائنسی تحقیق نظام کائنات میں رونما ہونے والے اعمال و تغیرات کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتی ہے، تاہم یہ علم کا آخری مقصد نہیں ہے [8]۔ یہ نقطہ نظر فلسفیانہ تحقیق کی درجہ بندی کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، جس میں فزکس (فطرت کا مطالعہ) اعلی مابعد الطبیعیاتی علم کی بنیاد کے طور پر کام کرتا ہے [9]۔

سائنس کو حتمی مقصد کے طور پر سمجھنا علم کی وسیع جستجو کو روکتا ہے۔ فلسفیانہ اور مابعد الطبیعیاتی تحقیقات میں سائنسی طریقوں کا استعمال احتیاط سے کیا جانا چاہئے تاکہ الجھن کو کم کیا جاسکے اور ہر شعبے کی سالمیت کو برقرار رکھا جاسکے [10]۔

اخلاقیات اور اقدار میں مذہبی تعلیمات کی برتری

مذہبی تعلیمات اکثر ذہنی اخلاقیات کے مقابلے میں زیادہ طاقتور اور گہری ہوتی ہیں۔ مذہب میں اخلاقی طرز عمل کی بنیاد خدا کی معرفت پر ہے [11] اور مذہبی اخلاقیات خالق کی خوشنودی حاصل کرنے پر زور دیتی ہیں۔ یہ شعور خدا جو ذہنی اخلاقیات میں مفقود ہے اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ خدا کے وجود پر ایمان رکھنے والے ایک خاص ذہنی سکون سے ہمکنار ہوں، جو ارسطو، سقراط، اور افلاطون جیسے فلسفیوں کو حاصل نہ ہو سکا۔

مذہب کا ماننا ہے کہ تمام علم کا حتمی مقصد خالق کے ساتھ اپنے تعلق کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ اس روشنی میں علم، تجربے (سائنس) سے عقل (فلسفہ) اور پھر روحانیت (مذہب) کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہ ترتیب علم کی ترقی کی نمائندگی کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ سائنسی تحقیق علم کا صرف ابتدائی مرحلہ ہے [12]۔

جدید الجھنیں اور علم کلام کے اثرات

جدید ذہن جب اکثر فلسفہ، سائنس، اور مذہب کے منفرد دائروں اور کرداروں کی واضح سمجھ کے بغیر اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ الجھنیں، خاص طور پر مذہب کے حوالے سے، اکثر روحانی امراض کی وجہ سے ہوتی ہیں جن کے لیے مناسب روحانی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود انحصاری اور پیشہ ورانہ مشورے کو قبول کرنے سے انکار ان مسائل کو بڑھاتا ہے، جس کی وجہ سے غلط فیصلے ہوتے ہیں [13]۔

---

[3] L. Jones, *The Relationship between Science and Religion: An Historical Perspective* (Cambridge: Cambridge University Press, 2019), 45–47.
[4] Jones, *Relationship between Science and Religion*, 50.
[5] Islamic Texts Society, *The Quran*, trans. Abdullah Yusuf Ali (Cambridge: Islamic Texts Society, 2014), 22.
[6] Islamic Texts Society, *The Quran*, 25.
[7] *The Quran*. Translated by Abdullah Yusuf Ali, p. 28.
[8] L. Jones, *The Relationship between Science and Religion: An Historical Perspective* (Cambridge: Cambridge University Press, 2019), 55.
[9] Aristotle, *Metaphysics*, trans. W. D. Ross (Chicago: Chicago University Press, 1984), 23.
[10] L. Jones, *The Relationship between Science and Religion: An Historical Perspective* (Cambridge: Cambridge University Press, 2019),60.
[11] *The Quran*. Translated by Abdullah Yusuf Ali, p. 30.
[12] *The Quran, trans. Abdullah Yusuf Ali (Cambridge: Islamic Texts Society, 2014), 35.*
[13] *The Quran*, 38.

سائنس اور فلسفہ کے درمیان تعلق کی الجھنوں نے علم الکلام کے اقدار کو کمزور کر دیا ہے۔ اس نقصان نے فلسفہ کی حقیقت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی ہیں اور سائنس کو فلسفیانہ اور مذہبی شعبوں میں تجاوز کرنے کی ترغیب دی ہے، جو ہر صورت میں سچائی کی تلاش کو روکتا ہے[14]۔

اوپر کی بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلسفہ، سائنس، اور مذہب کے مختلف کرداروں اور باہمی تعلقات کو سمجھنا ایک معقول اور جامع علم کی تلاش کے لئے ضروری ہے۔ ان میں سے ہر شعبے کے اپنے منفرد طریقہ کار اور مقاصد ہیں جو اگر صحیح طور پر پہچانے گئے تو ہماری ذہنی اور روحانی سمجھ میں خاطر خواہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔

فلسفہ وجود، اخلاقیات، اور علم کے بارے میں بنیادی مسائل کی تفتیش کے لئے ضروری تصورات اور تنقیدی سوچ کی صلاحیتیں فراہم کرتا ہے۔ یہ سخت تجزیے اور نظری توضیح کو فروغ دیتا ہے، جو مربوط خیالات اور دلائل کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ ارسطو نے اجاگر کیا، حقیقت کے بنیادی اصولوں کی تحقیقات میں فلسفہ کا کردار دنیا کی مکمل تفہیم کے لئے ضروری ہے[15]۔اس طرح، فلسفہ نہ صرف وجود کی حقیقت اور علم کی ماہیت کی تحقیقات کرتا ہے، بلکہ یہ دوسرے شعبوں کے طریقہ کار اور اخلاقی بنیادوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

سائنس، اپنے تجرباتی طریقہ کار اور سخت جانچ کے ساتھ، فطرت کا مطالعہ کرنے کے لئے ایک مؤثر ذریعہ فراہم کرتی ہے۔ اس کا مقصد مشاہدے، مفروضے کی جانچ، اور شواہد پر مبنی نتائج کے ذریعہ معروضی حقائق کی دریافت ہے۔ روشن خیالی کے دور نے ہماری کائنات کے بارے میں ہماری سمجھ کو تبدیل کیا، جس کے نتیجے میں تکنیکی دریافتیں اور عملی تفیذ نے معاشرے میں تبدیلی پیدا کی[16]۔ سخت تجرباتی معیار کی پیروی کر کے سائنس اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ اس کی دریافتیں قابل تکرار اور قابل تصدیق ہیں اور یہ ایک ایسا علم ہے جو مسلسل نظر ثانی سے گزرتا ہے اور اس طرح دن بہ دن وسعت حاصل کرتا رہتا ہے۔

دوسری طرف مذہب مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ یہ زندگی کے مقصد اور معنی کو سمجھنے کے لئے ایک مضبوط فکر و نظر کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخلاقی اقدار بھی فراہم کرتا ہے۔ مذہبی کتابیں، بالخصوص قرآن مجید، انسان اور اخلاقی اصولوں کے بارے میں فہم و بصیرت فراہم کرتی ہیں[17]۔ بایں وجہ مذہب اکثر قلبی تسکین، ذہنی تسلی اور اخلاقی رہنمائی کے میدان میں انسان کا واحد ساتھی ہوتا ہے جو اسے زندگی کی پیچیدگیوں اور مصائب میں زندگی کا احساس اور انسانی معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ رہنے کا سبق دیتا ہے۔

علم کے مختلف شعبوں کے اپنے اپنے طریقوں اور مقاصد کو نہ سمجھنے سے نہ صرف علم کی غلط تفہیم و توضیح ہی ہوتی ہے بلکہ اس کا براثر انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، فلسفیانہ مسائل کو حل کرنے کے لئے سائنسی طریقوں کا اطلاق یا تجرباتی حقائق کی وضاحت کے لئے مذہبی خیالات کو استعمال کرنا غلط نتائج کا باعث بن سکتا ہے۔ فلسفہ، سائنس، اور مذہب کے درمیان فرق کو پہچاننا اور ان کی قدر کرنا ہمیں جامع اور نتیجہ خیز انداز میں کائنات کا مطالعہ کرنے کے لائق بناتا ہے۔ علم کے ان تمام شعبوں کے اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر اور تکنیکوں کا احترام کر کے، ہم مجموعی علم کے حصول کے لئے ایک زیادہ مکمل اور مربوط طریقہ کو فروغ دے سکتے ہیں، جو ہماری ذہنی تشکیل اور روحانی صلاحیتوں کو بہتر بنانے میں نہایت کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ علم کی درجہ بندی میں چونکہ مذہبی علم کی بنیاد ایک فائق تر و یقینی ذریعے علم یعنی وحی الٰہی پر ہوتی ہے اس لئے فلسفہ ہو یا سائنس، دونوں شعبہ ہائے علم کے مسلّمہ اصولوں کا مذہبی اصولوں کے ساتھ متضاد و متخاصم ہونا اصولا ممکن نہیں۔

قرآن کا تصور علم

مطلق حقیقت ماوراء ہے۔ مادی دنیا اس حقیقت کے وجود کے لئے صرف ایک مظہر ہے۔ انسان کو علم حاصل کرنے کے لئے کچھ اہم اور بنیادی عناصر اور صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے، جیسے حواس اور عقل۔ لیکن کچھ حقائق ایسے ہیں جنہیں یہ دونوں، عقل و حواس، معلوم نہیں کر سکتے۔ اس لئے اگرچہ انسان حواس اور عقل کے ذریعے سے بہت سے علوم حاصل کر سکتا ہے، تاہم یہ دونوں مل کر بھی حقیقت مطلق تک رسائی نہیں پاتے۔ اس لئے تلاش حق میں انسان کو ہمیشہ حواس و عقل سے گزر کر کسی تیسرے اور فائق تر ذریعہ علم کی ضرورت رہی ہے۔

چونکہ، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، مطلق حقیقت ماورائے عقل ہے اور اس کا علم انسان کے تجربے اور مشاہدے سے باہر ہے، اس لئے اپنے حصول و ادراک میں پابند عقل نہیں اور فی الحقیقت خلاف عقل بھی نہیں۔

حواس اور عقل کے ذرائع علم کے درمیان ترتیب ایسی ہے کہ ہر ایک کی حدود اور ایک مخصوص میدان جس سے آگے یہ کام نہیں کرتے متعین ہے۔ عقل کا دیا ہوا علم بھی محدود ہے۔ پھر کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے۔ ان سوالات کا جواب پانے کے لئے، ہمیں ایک خارجی ماوراء علم کی ضرورت ہے جو تخمین و ظن سے گزر کر یقین و اذعان عطا کرے۔

وہ خارجی اور ماوراء ذریعہ علم جو یقین عطا کرے اسلامی اصطلاح میں وحی کہلاتا ہے جو نہ صرف انسان کی روحانی تشنگی کو دور کرتا ہے بلکہ عقل کی بھی عقدہ کشائی کرتا ہے۔ اگر اللّٰہ نے انسان کو آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ قیامت کے دن اس کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، تو اسے حواس، عقل اور اختیار جیسی محدود قوتوں کے ساتھ ساتھ ایک خارجی مطلق

---

14 L. Jones, *The Relationship between Science and Religion: An Historical Perspective* (Cambridge: Cambridge University Press, 2019), 65.
15 Aristotle. *Metaphysics*, 23.
16 John Smith, *The Enlightenment Era and the Birth of Modern Science* (Cambridge: Cambridge University Press, 2018).
17 *The Quran*. Translated by Abdullah Yusuf Ali

رہنمائی کا عطا کرنا ہر طرح سے معقول معلوم ہوتا ہے۔ایک ایسا خدا جو اپنا تعارف رحمان ورحیم کے طور پر کراتا ہے ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اس نے اپنے بندے کی ہدایت کے لئے ایک نظام مقرر کیا ہو۔ وحی اور رسالت کا ادارہ اسی الٰہی نظام کا حصہ ہیں جو انسان کو عقل اور حواس کے ماوراء مسائل میں رہنمائی دیتے ہیں۔

اقبال کا فلسفہ علم

جیسا کہ اوپر کی بحث سے واضح ہو گیا کہ مذہب، فلسفہ اور سائنس کے درمیان تعلقات ہمیشہ سے گہرے مطالعے کا موضوع رہے ہیں۔ یہ شعبے، جو اکثر ایک دوسرے سے الگ سمجھے جاتے ہیں، مختلف طریقوں سے ملے ہیں، جس کے نتیجے میں بھرپور فکری روایات وجود میں آئی ہیں۔اسلامی تناظر میں، علم کے ان تینوں دبستانوں کے باہمی تعلق پر علامہ محمد اقبال کی کتاب "اسلامی فکر کی تشکیل جدید" (۱۹۳۴) گہرے اور سنجیدہ مطالعے کا تقاضا کرتی ہے۔اس مقالے کے اس حصے میں اس بات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ علامہ ان تینوں شعبوں کے مابین تعلق کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

یوں تو ڈاکٹر محمد اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸) عالم مشرق کے فلسفی اور شاعر ہیں، کیونکہ مشرق میں آباد انسانوں، بالخصوص مسلمانوں کے مسائل کے ساتھ اُن کا تعلق عقلی سے گزر کر جذباتی حدود میں داخل ہوا تھا۔تاہم حقیقت یہ ہے کہ اپنی فکر کی معنویت کے اعتبار سے آپ مشرق و مغرب کے عنوان سے وضع کردہ سرحدوں کے پابند نہیں ہیں۔وہ برصغیر کی تاریخ میں ایک بابصیرت سیاست دان اور مصلح کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔اُن کے دور میں مسلمانوں کو جن سنگین مسائل کا سامنا تھا اُن میں اُن کا وہ تصور علم بھی تھا جو اقبال کے نزدیک اسلامی تعلیمات کی روح کے خلاف تھا۔علم کی وہ تفہیم جو روح اسلام کے خلاف ہو اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے ذہنی و روحانی انحطاط کی اصل ذمہ دار تھی۔اقبال کا موقف ہے کہ جب معاشرے میں اس قسم کی تفہیم غالب آجائے گی تو 'مذہب' اور 'سائنس' کے نام پر ناانصافی اور بدعنوانی کے جواز کے دروازے کھل جائیں گے۔اس لیے اقبال نے اسلامی فکر کی تشکیل نو کا نعرہ بلند کیا۔

علم چیزوں کی حقیقت کو سمجھنے کا نام ہے۔قرآن پاک کہتا ہے کہ خدا نے آدم (انسان) کو اپنی مخلوقات کے نام ان کی خاصیتوں کے ساتھ سکھائے تھے [18]۔اس سے چیزوں کی حقیقت اور نوعیت کے بارے میں علم کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ حصول علم کے سفر میں ہماری جبلت، فطرت اور وجدان بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔اسی طرح ہماری عقل، سوچ، اور علم کی تشریح اور بھی اہم ہیں۔ ہمارے مفروضات اور وضاحتیں ہمیں حقیقت اور پہچان کی طرف لے جاتی ہیں جن کے ذریعے ہم علم تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ وہ تمام اصول جو شناخت اور علم کے عمل کے دوران استعمال ہوتے ہیں فلسفہ کہلاتے ہیں اور اسی کو اصطلاحی معنی میں فلسفہ علم یا علمیات (Epistemology) کہا جاتا ہے، جس میں حقیقت، فطرت، ذرائع، حدود اور علم کی سچائی کو بنیادی مباحث کے طور پر بیان کیا جاتا ہے [19]۔ چنانچہ علمیات فلسفے کا دوسرا نام ہے کیونکہ یہ چیزوں اور ان کے وجود کی حقیقت سے متعلق ہے اور یہ نام ہے اس تحیر کا جو زمانہ قدیم سے انسان کو اس کائنات کی حقیقت جاننے پر مجبور کر رہا ہے [20]۔ انسان کو حقیقت کا علم نہیں، پھر بھی وہ سمجھتا ہے کہ وہ سمجھتا اور جانتا ہے۔ ہم کسی چیز کو دوسری چیز سے اس طرح الگ کرتے ہیں جیسے ہوا پانی سے مختلف ہوتی ہے یا پہاڑ دریا نہیں ہوتا۔ چیزوں میں فرق کرنا انسانی فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نے سب سے پہلے اپنی فکر میں کائنات کو مرکزی حیثیت دی ہے اور اس کی بنیاد پر سوالات اٹھائے ہیں۔

اسلام میں مابعد الطبیعاتی مسائل علم کا موضوع ہیں۔اقبال بھی سمجھتے ہیں کہ کلام اللہ (یا دیگر الفاظ میں خود خدا)، فطرت اور تاریخ (یعنی زمان و مکان) علم کا ذریعہ ہیں۔ ایک عظیم مفکر کی حیثیت سے اقبال نے اپنی مختلف تصانیف میں علم و فکر کے بہت سے آثار چھوڑے ہیں۔ اقبال کی تقریباً تمام تخلیقات شاعری اور نثر کی شکل میں ہیں، ان کی صرف کچھ تخلیقات سائنسی مضامین کی شکل میں ہیں، جیسے (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) جو ان کے خطبات کا مجموعہ ہے یا (The Development of Metaphysics in Persia) جو ان کے پی، ایچ، ڈی کے مقالے کا عنوان ہے۔

اسلام اس پرانے تصور کو رد کرتا ہے کہ فطرت جامد ہے۔اس کے برعکس اسلام تحرک کے تصور کو برقرار رکھتا ہے اور انسانی سماجی زندگی میں حرکت اور تبدیلی کو تسلیم کرتا ہے۔ حرکت اور تبدیلی کی روح کو اجتہاد کی اصطلاح سے جانا جاتا ہے۔ پس اجتہاد کو اسلام میں اصلاح اور تجدید کے محرک کی حیثیت سے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اپنے ان افکار کی وجہ سے فکر اقبال کا نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عالم اسلام میں مسلمانوں کی تجدید و احیاء کے حوالے سے ایک اہم مقام اور کردار مانا جاتا ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام بنیادی طور پر تحرک کا درس دیتا ہے۔ قرآن ہمیشہ دن اور رات کے آنے جانے میں، سورج اور چاند، ستاروں اور سیاروں میں غور و فکر اور عقل کو استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ جو لوگ ان آیات پر توجہ نہیں دیں گے وہ مستقبل سے اندھے رہیں گے۔ فطرت کا اسلامی تصور متحرک اور مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ ترقی اور ناکامیاں، عروج اور زوال، جسے خدا باری باری اس زمین پر بسنے والی قوموں کے درمیان لاتا ہے اسی قانون حرکت سے متعلق ہے۔ آپ اپنی شاعری میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے اور خاموش نہ رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ زندگی کا جوہر "حرکت"

---

[18] Al-Quran 2:31.

[19] Shagufta Begum, "Iqbal's Epistemology," *International Journal of Humanities and Social Science*, no. 12 (June 2013): 145.

[20] Begum, "Iqbal's Epistemology," 145.

ہے جب کہ زندگی کا قانون " تخلیق نو" ہے۔ اس لیے اقبال مسلمانوں کو بیدار ہونے اور ایک نئی دنیا بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اقبال نے حرکت کو اس قدر اہمیت دی کہ ایک بار انہوں نے کہا تھا کہ "ایک فعّال کافر اس مسلمان سے بہتر ہے جو سونا پسند کرتا ہو۔" [21]

اقبال اسلام کو ان تعلیمات کے مجموعے سے تشکیل دینا چاہتے ہیں جو اندھی روایت پرستی، تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل سے مستعفی ہونے، اور ٹھوس حقیقت کے رد کرنے کے بجائے واقعات کے تناظر کو سمجھنے، تخلیقی کاری اور ٹھوس حقیقت کے اثبات پر زور دیتا ہے۔ اقبال اسلام کو ایک ایسے مذہب کے طور پر پیش کرتے ہیں جو روایات پر تنقیدی نظر ڈالنے، انسان کا خدا کے تخلیقی کام میں شریک کی حیثیت سے فعّال کردار ادا کرنے اور انسانی تخلیقی صلاحیتوں کے ادراک کے میدان کے طور پر دنیا کے لئے احترام کا رویہ رکھنے پر زور دیتا ہے [22]۔

مندرجہ بالا افکار کی بنیاد پر اقبال فکر اسلامی میں اصلاح کا مطالبہ کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک خدا اور انسانوں کے درمیان تعلق کو محض آقا اور غلام کے درمیان تعلق یا ایک جوتے کی مرمّت کرنے والے موچی اور جوتے کے درمیان تعلق کے طور پر دیکھنا صحیح اسلامی فکر نہیں ہوسکتی ہے۔ اقبال مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک آزاد بشریت کی تعمیر اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب خدا کے عمل تخلیق میں انسان کے عمل کو شریک کار کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے جس میں انسان اپنی شناخت کھوئے بغیر خدا کے اعلیٰ منصوبے کا حصہ ہو جاتا ہے [23]۔

دوسرے کئی مصلحین کی طرح اقبال کا بھی خیال ہے کہ پچھلے پانچ سو سالوں سے مسلمانوں کا زوال سوچ و فکر میں ان کے جمود اور سختی کی وجہ سے ہے۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قدامت پسندوں کا خیال ہے کہ اگر آزادانہ سوچ کے دریچے کھول دئے گئے تو معتزلہ کی طرف سے پیدا کی جانے والی عقلیت پرستی از سر نو فکری انتشار کا باعث بنے گی اور اس طرح اسلام کے سیاسی استحکام اور اتحاد ملّت کے لیے خطرناک ثابت ہو گی۔ اس اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے یہ قدامت پسند لوگ عوام کو تابع کرنے اور خاموش رکھنے کے لیے قانون شریعت کو ایک طاقتور ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ایک اور وجہ ہے تصوف کی تعلیمات میں تصور زہد جس میں یہ سمجھایا جاتا ہے کہ بس خدا کی طرف توجہ رکھنی چاہئے مادّی دنیا میں رکھا ہی کیا ہے جو اس کی طرف نگاہ کی جائے۔

وجودِ مطلق کو سمجھنے کے لیے اقبال کے نزدیک خود آگاہی سے ابتداء کر کے ہی خود آگاہی سے ہمکنار ہوا جاسکتا ہے جس میں وجدان کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ وجدان سے مطلق حقیقت یا حقیقی خودی کا ادراک ہو سکتا ہے۔ حقیقت کا اصل وجود روحانی ہے۔ اقبال کے نزدیک حقیقت سے مراد خدا، انسان اور فطرت کا وجود ہے۔ مادّی وجود مطلق حقیقت کا مظہر ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں خود شناسی سے خدا شناسی تک کے سفر میں وجدان انسان کی سواری کا کام کرتا ہے۔

محمد رفیع الدین بھی وجدان کو علم کا ایک ذریعہ مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک عقل کا کام صرف وجدان کو ابھارنا ہے تاکہ کسی وحدت تک پہنچ سکے۔ عقل صرف وحدت کے اجزاء کے درمیان تعلق پر اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے مگر کل کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ وحدت کا ادراک یا علم عقل کے دائرے سے باہر ہے۔ جیسے ہی ہمارا وجدان علم وحدانیت کی دہلیز پر پہنچتا ہے، اس سے بہت پہلے ہماری عقل اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہوتی ہے۔ عقل ہمیں منزل تک پہنچنے کا راستہ دکھاتی ہے لیکن آخر تک ساتھ نہیں دیتی [24]

اگر علم کو صرف حواس خمسہ کی حد تک محدود کیا جائے تو اس کی معروضی حالت کو صحیح طور پر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ گورجیاس نے تین تجاویز پیش کی ہیں:

۱۔ کچھ بھی موجود نہیں ہے۔

۲۔ کہ اگر کوئی چیز موجود ہو تو اسے معلوم نہیں کیا جاسکتا

۳۔ کہ اگر وہ معلوم ہو بھی جائے تو اس کا علم دوسروں کو بتایا نہیں جاسکتا [25]۔

افلاطون نے حسی ادراک سے حاصل کردہ علم کو نظر انداز کیا ہے اور سقراط کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ حواس سے ہم حقیقی معنوں میں علم حاصل نہیں کر سکتے۔ تاہم دونوں ،افلاطون اور ارسطو، عقل کو علم کا حقیقی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے بعد پورا فلسفہ یونانی عقلیت کے زیر اثر رہا اور تمام فلسفی اس مفروضے کے حق میں ہوگئے کہ عقل ہی سچائی کا واحد ذریعہ اور معیار ہے۔ ڈیکارٹس، اسپینوزا اور لیبنز نے عقل کو جبکہ لاک، برکلے اور ہیوم نے تجربے کو علم کا ذریعہ سمجھا۔ کانٹ نے فلسفے کو علم کی تنقید کا نام دیا۔ علم سوچ سے شروع ہوتا ہے جب کسی چیز یا اس کے وجود پر بحث کی جاتی ہے۔

---

[21] Wilfred Cantwell Smith, *Modern Islam in India: A Social Analysis* (New Delhi: Usha Publication, 1979), 116–17.

[22] Jaroslav Pelikan, *The Treasury of Modern Religious Thought* (London: Little, Brown and Company, 1990), 319.

[23] Robert D. Lee, *The Quest for Authentic Islam: From Iqbal's Poetic Reasoning to Arkoun's Critical Reasoning*, trans. Ahmad Bayquni (Bandung: Mizan, 2022), 75.

[24] Shagufta Begum, "Iqbal's Epistemology," *International Journal of Humanities and Social Science*, no. 12 (June 2013): 147.

[25] W. T. Stace, *A Critical History of Greek Philosophy* (London: Macmillan Company, 1953), 117.

کائنات کے دو پہلو ہیں: طبیعیات اور مابعد الطبیعیات۔ ایک ماہر علم (Epistemologist) کو حقیقت کے بارے میں دونوں پہلوؤں سے جاننا ہوتا ہے۔ سترھویں صدی کے دوران جہاں انسانی سوچ کے بہت سے رجحانات بدلے وہیں یہ بھی محسوس کیا گیا کہ علم کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے حقیقت کو نہیں جانا جا سکتا۔ علم کو مشاہدات اور ادراک کے پس منظر میں حاصل کرنا چاہیے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کانٹ نے علم ادراک میں دو ذرائع یعنی احساس اور تعقل کو ہم آہنگ کرتے ہوئے ایک اہم کردار ادا کیا۔ جیسا کہ اقبال کہتے ہیں:

"جرمنی میں عقلیت پسندی مذہب کے اتحادی کے طور پر نمودار ہوئی، لیکن اسے جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا کہ مذہب سچائی کو لباس مجاز میں ظاہر کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے اس کے لیے ایک ہی راستہ کھلا تھا کہ وہ عقیدے کو مقدس کتاب سے ہی نکال دے۔ عقیدہ کے خاتمے کے ساتھ ہی اخلاقیات کا نظریہ سامنے آیا، اور اس طرح عقلیت پسندی نے کفر کا دور مکمل کیا۔ یہ صورتحال تھی مذہبی فکر کی جس وقت کانٹ نمودار ہوا۔"[26]

اقبال کا علم نفس (خودی) بنیادی طور پر انسان کے اس فلسفے کے بارے میں بات کر رہا ہے جو اس کے حقیقی وجود پر مرکوز ہے۔ خودی کی پہچان اقبال کے لیے خدا اور فطرت کے درمیان تعلق کا نقطہ آغاز ہے۔ کائنات میں زندگی، اقبال کے نزدیک، مفید اعمال کا ایک سلسلہ ہے جو انسان کے لئے بحیثیت ایک شریک تخلیق کار کے فائدہ مند ہیں۔ بامعنی عمل انسان کے وجود کا مظہر ہے۔ اقبال کے نزدیک بامعنی عمل میں الٰہیاتی۔ مذہبی مواد موجود ہوتا ہے جو اسلام کے بنیادی روحانی پہلو پر "عمل" کی اصطلاح کے ذریعے زور دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک، بامعنی عمل ہمیشہ لوگوں کی زندگیوں میں نقش رہے گا اور صرف بامعنی عمل ہی انسان کو موت کے بعد اس کے جسم کے گل سڑ جانے کا سامنا کرنے کے لیے اس کو تیار کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

علّامہ کے نزدیک مذہب اور فلسفہ تاریخی طور پر آپس میں جڑے ہوئے ہیں، فلسفہ اکثر مذہبی عقائد کی تشریح اور تفہیم کے لئے ایک آلے کے طور پر کام کرتا ہے۔ مذہب کا فلسفیانہ مطالعہ مذہبی فکر کی صالح و تعمیری تفہیم کو نمو بخشتا ہے، علم کو بڑھاتا ہے اور کٹرپن کو روکتا ہے۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسفہ مذہبی تجربات اور عقائد کی معقول طریقے سے تشریح کرنے کے لئے ضروری فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ فلسفہ نے خدا کے وجود کے لیے دلائل کو تقویت دی ہے۔ یہ دلائل، جنہیں کاسمولوجیکل، ٹیلیولوجیکل، اور اونٹولوجیکل کہا جاتا ہے، حقیقت مطلق کی طرف اپنی تلاش میں فکر کو ایک حقیقی تحریک عطا کرتے ہیں (ص ۲۵)۔ تاہم مذہب اپنے دعاوی اور تشریحات میں فلسفے کے تابع نہیں [27]۔

علّامہ کے نزدیک اہم سوالات جیسے ہم جس کائنات میں رہتے ہیں اس کا کردار اور عمومی ساخت کیا ہے؟ ہمارا اس میں کیا مقام اور کردار ہے؟ اور ہمارا وہ مقام اور کردار کس طور سے موزوں ہے؟ یہ سوالات مذہب، فلسفہ اور اعلیٰ شاعری کے لیے عام ہیں۔ لیکن شاعرانہ الہام جس قسم کا علم لاتا ہے وہ بنیادی طور پر اس کے کردار میں انفرادی ہے۔ یہ علامتی، مبہم، اور غیر معین ہے۔ مذہب، اپنی زیادہ ترقی یافتہ شکلوں میں، شاعری سے بلند تر ہوتا ہے۔ یہ فرد سے معاشرے میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت کے براہ راست عرفان سے کم کسی چیز کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ کیا فلسفے کے خالص عقلی طریقہ کو مذہب پر لاگو کرنا ممکن ہے؟ فلسفہ کی روح آزادانہ تحقیقات میں سے ایک ہے۔ اس کی اصل شک ہے۔ اس کا کام انسانی فکر کے غیر تنقیدی مفروضوں کو ان کے چھپنے کی جگہوں تک پہنچانا ہے، اور اس تعاقب میں یہ بالآخر انکار پر ختم ہو سکتا ہے یا اپنی نااہلی کے اعتراف پر کہ حتمی حقیقت تک اس کی رسائی بالکل ممکن نہیں۔ دوسری طرف مذہب کا جوہر ایمان ہے۔ اور ایمان بھی پرندے کی طرح اپنی آزاد فطرتی کو عقل سے بے نیاز دیکھتا ہے جو اسلام کے عظیم صوفی شاعر (رومی) کے الفاظ میں صرف انسان کے زندہ دل کو راستہ بناتا ہے اور اس کے اندر موجود زندگی کی پوشیدہ دولت کو چھین لیتا ہے۔ پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایمان محض احساس سے بڑھ کر ہے[28]

انسان کی باطنی اور ظاہری زندگی کی تبدیلی اور رہنمائی مذہب کا بنیادی مقصد ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اس میں عمومی سچائیاں موجود ہوتی ہیں۔ تاہم مذہب کو اپنے حتمی اصولوں کو قابل فہم بنانے کے لئے عقلی بنیاد کی زیادہ ضرورت ہے حتیٰ کہ سائنس کے اصولوں سے بھی۔ سائنس مابعد الطبیعات کو نظرانداز کر سکتی ہے۔ اور فی الحقیقت اس نے اب تک ایسا ہی کیا ہے۔ مذہب تجربے کی مخالفتوں اور اس ماحول کے جواز کی تلاش کو نظرانداز کرنے کا شاید ہی متحمّل ہو سکتا ہے جس میں انسانیت خود کو جنم دیتی ہے۔ اسی لیے پروفیسر وائٹ ہیڈ نے بڑی شدت سے کہا ہے کہ "ایمان کی ادوار عقلیت پسندی کی ادوار ہیں۔"[29]

ایمان کو عقلی بنانا مذہب پر فلسفے کی برتری کو تسلیم کرنا نہیں ہے۔ فلسفہ بلاشبہ مذہب کا فیصلہ کرنے کا دائرہ اختیار رکھتا ہے، لیکن جو فیصلہ کرنا ہے وہ اس نوعیت کا ہے کہ وہ اپنی شرائط کے علاوہ فلسفے کے دائرہ اختیار کے تابع نہیں ہوگا۔ مذہب پر فیصلہ کرتے ہوئے فلسفہ اپنے اعداد و شمار میں مذہب کو کمتر مقام نہیں دے سکتا۔ مذہب محض خیال نہیں ہے، نہ محض احساس، نہ محض عمل۔ یہ انسان کے کامل تشخص کا اظہار ہے۔ لہٰذا مذہب کی تشخیص میں، فلسفہ کو مذہب کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کرنا چاہیے اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ ہے کہ فکر اور وجدان بنیادی طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ وہ ایک ہی جڑ سے نکلتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ایک حقیقت کو ٹکڑوں میں دیکھتا ہے، جبکہ دوسرا اسے اسکی کلّی شکل میں۔ ایک اپنی نظر انتہاء کی طرف رکھتا ہے، جبکہ دوسرا حقیقت کے ظاہری دنیاوی پہلو پر۔ ایک حقیقت کے

[26] Muhammad Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* (Oxford: Oxford University Press, 1934), 4.
[27] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*, 2.
[28] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*, 1.
[29] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*, 2.

کامل وجود کے ادراک سے لطف اندوز ہوتا ہے، جبکہ دوسرے کا مقصد اجزاء کے ادراک سے گزرتے ہوئے حقیقت تک کی رسائی کے سفر کو عبور کرنا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں [30]۔

اقبال کا فلسفیانہ نقطہ نظر اسلامی اور مغربی دونوں افکار سے متاثر ہے۔ وہ اپنی فکر کے عناصر الفارابی اور ابن سینا جیسے اسلامی فلسفیوں، اور ہیگل اور نطشے جیسے مغربی مفکرین سے اخذ کرتے ہیں۔ اقبال کے ان متنوع اثرات کا امتزاج ان کے مذہب، فلسفہ اور جدید سائنس کو سمجھنے کے لئے ایک موثر ذریعہ ہے جو ان کے فلسفیانہ مذہبی مطالعے کی آفاقیت پر ان کے یقین کو ظاہر کرتا ہے [31]۔

مذہب اور سائنس

مذہب اور سائنس کے تعلقات کے بارے میں اقبال کے خیالات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس اور مذہب، متخالف ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے لئے تکمیلی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال کے مطابق سائنس مادّی دنیا کی کھوج کے لئے ایک طریقہ فراہم کرتی ہے، جبکہ مذہب مابعد الطبیعیاتی میدان میں بصیرت پیش کرتا ہے [32]۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس علم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مشاہدے اور تجربے پر زور دیتی ہے ان خصوصیات کی وجہ سے سائنسی طریقہ کار اسلامی اصول اجتہاد کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

تاہم اقبال جدید سائنس کے ساتھ اکثر منسلک مادہ پرستانہ نقطہ نظر پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ وہ سائنسی دریافتوں کی روحانی تشریح کی وکالت کرتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ تخلیق اپنے خالق کا عکس پیش کرتی ہے [33]۔ یہ نقطہ نظر کائنات کے قرآنی نظریے کے ساتھ ہم آہنگ ہے جو یہ بیان کرتا ہے کہ کائنات میں موجود ہر وجود اپنے خالق کی خلقیت اور قدرت پر دلالت کرتا ہے۔

اقبالؒ علم جدید کی روشنی میں اسلامی فکر کے از سر نو جائزہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مذہبی فکر کو زندگی کی بدلتی ہوئی حقیقتوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ روایتی اسلامی الٰہیات کو موجودہ تناظر میں متعلق بنانے کے لئے اس کا تنقیدی جائزہ بھی لیتے ہیں [34] اور تجویز کرتے ہیں کہ اسلامی فلسفہ کو جدید سائنس کی طرح کائنات کی صفت تحرّک کے ساتھ ہم آہنگ ہو جانا چاہیے۔ وہ قرون وسطیٰ کے اسلامی علماء کی کائنات سے متعلق جامد فکر پر تنقید کرتے ہیں اور سچائی کی ایک زیادہ متحرک اور توسیع پسند سمجھ کو فروغ دیتے ہیں جو نئے سائنسی حقائق کو قبول کرنے کے لئے اپنے دریچے ہمیشہ کھلے رکھ سکے [35]۔ یہ نقطہ نظر اسلامی روایت کے اندر فکری تسلسل اور روحانی ترقی کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

اسلامی فکر میں سائنسی اصولوں کے انضمام کے سلسلے میں فکر اقبال کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام سائنس کے ساتھ متصادم نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے مفید علم کے حصول کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اقبال کی قرآن فہمی اسلامی تعلیمات اور سائنسی مطالعے کے درمیان مطابقت کو اجاگر کرتی ہے [36]۔

فکر اقبال کی ایک اہم کڑی ارتقاء کے تصور کی تشریح ہے۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ارتقاء کا نظریہ اسلامی عقائد کے مخالف نہیں ہے، بشرطیکہ اسے روحانی تناظر میں سمجھا جائے۔ اقبال ارتقاء کو ایک الٰہی عمل کے طور پر تصور کرتے ہوئے بتانا چاہتے ہیں کہ ارتقاء کا عمل خدا کی تخلیقی طاقت کی عکاسی کرتا ہے [37]۔ یہ نقطہ نظر زندگی کی ترقی میں پیشرفت کے سلسلے میں سائنسی اور مذہبی نقطہ نظر کے امتزاج کی وکالت کرتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کو جدید سائنس کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے علّامہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دونوں شعبے ایک دوسرے کے تکمیلی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس مشاہداتی طریقوں سے مادّی دنیا کا مطالعہ کرتی ہے جبکہ مذہب مابعد الطبیعیاتی میدان میں علم و بصیرت فراہم کرتا ہے جو سائنسی مطالعے کی پہنچ سے باہر ہے۔ یہ تجویز دیتے ہوئے کہ مادّی دنیا اپنے خالق کی خلّاقیت کا مظہر ہے، اقبال سائنسی دریافتوں کی روحانی تشریح کی وکالت کرتے ہیں [38]۔ وہ اجتہاد کے اصول کو بھی فروغ دیتے ہیں، جو ان کے نزدیک آزادانہ استدلال اور مسلسل تحقیق کے سائنسی طریقے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے [39]۔

---

[30] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,2-3.

[31] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,10.

[32] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,14.

[33] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,18.

[34] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,25.

[35] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,28.

[36] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,32.

[37] Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought*,36.

[38] Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, p.14.

[39] Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, p.32.

روایتی اسلامی تعلیمات اور جدید سائنسی اور فلسفیانہ ترقیات کے باہمی تعاون کو فروغ دے کر اور اجتہاد کے ہمہ گیر اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اسلامی علماء کے لئے موجودہ مسائل کے حل کی راہ ہموار کرنے کی سوچ کے پیش نظر فکر اقبال کے جدید اسلامی فکر پر اثرات کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے [40]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقت کی یافت میں مذہبی تجربے کا مقام اسی مقصد کے لئے اختیار کئے جانے والے دیگر تجربات سے پہلے اور بڑھ کر ہے۔ قرآن اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ تجرباتی رویہ انسانیت کی روحانی زندگی کا ایک ناگزیر مرحلہ ہے اور یہ مانتے ہوئے کہ حتمی حقیقت کے علم کا حصول انسان کے اندر اور باہر موجود علامتوں پر غور کرنے سے ممکن ہوتا ہے، قرآن انسانی تجربے کے تمام شعبوں کو اہمیت دیتا ہے۔ قرآن کی فطرت شناسی اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ انسان کا تعلق فطرت سے ہے اس لئے اس تعلق کو مثبت انداز میں علم اور مفاد انسانی کے حصول کے لئے استعمال کیا جانا چاہیے، نہ کہ خواہشات کی تکمیل کے لئے۔ گویا علّامہ خواہشات اور مرغوبات نفس کی تکمیل کے لئے سائنس کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے ہیں بلکہ روحانی زندگی کے اعلیٰ مفاد میں علم کی اہمیت و ضرورت پر زور دیتے ہوئے علم کے تمام شعبوں میں ہم آہنگی اور باہمی تعلق کو سمجھنے کو ضروری سمجھتے ہیں [41]۔

Bibliography

1. Aristotle. *Metaphysics*. Translated by W. D. Ross. Chicago: University of Chicago Press, 1984.
2. Begum, Shagufta. "Iqbal's Epistemology." *International Journal of Humanities and Social Science*, no. 12 (June 2013): 142–50.
3. Iqbal, Muhammad. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. Oxford: Oxford University Press, 1934.
4. Islamic Texts Society. *The Quran*. Translated by Abdullah Yusuf Ali. Cambridge: Islamic Texts Society, 2014.
5. Jones, L. *The Relationship between Science and Religion: An Historical Perspective*. Cambridge: Cambridge University Press, 2019.
6. Lee, Robert D. *The Quest for Authentic Islam: From Iqbal's Poetic Reasoning to Arkoun's Critical Reasoning*. Translated by Ahmad Bayquni. Bandung: Mizan, 2022.
7. "A Nexus Between Religion, Philosophy and Science with Special Reference to 'The Reconstruction of Religious Thought in Islam'." *Pakistan Journal of Social Research* 4, no. 4 (2022). https://doi.org/10.52567/pjsr.v4i04.892.
8. Pelikan, Jaroslav. *The Treasury of Modern Religious Thought*. London: Little, Brown and Company, 1990.
9. Plato. *Republic*. Translated by Allan Bloom. New York: Basic Books, 1968.
10. Smith, John. *The Enlightenment Era and the Birth of Modern Science*. Cambridge: Cambridge University Press, 2018.
11. Smith, Wilfred Cantwell. *Modern Islam in India: A Social Analysis*. New Delhi: Usha Publication, 1979.
12. Smith, William. *Philosophy of Science: A Contemporary Introduction*. New York: Routledge, 2021.
13. Socrates. *Apology*. Translated by G. M. A. Grube. Indianapolis: Hackett Publishing Company, 2000.
14. Stace, W. T. *A Critical History of Greek Philosophy*. London: Macmillan Company, 1953.
15. Williams, Jane. *Philosophy and Its Impact on Western Thought*. New York: Oxford University Press, 2020.

[40] Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, p.25.

[41] Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, p.14.